AL-AASAR Journal
Quarterly Research Journal
www. al-aasar.com

Vol. 2, No. 1 (2025)
Online ISSN: 3006-693X
Print ISSN: 3006-6921

# اکیسویں صدی کے اردو افسانے میں سماجی مسائل کی پیشکش کا تجزیاتی مطالعہ

**عزیز الرحمان**

ریسرچ اسکالر، شعبہ لسانیات و ادبیات (اردو) قرطبہ یونیورسٹی آف سائنس اینڈ ٹیکنالوجی، پشاور

**ڈاکٹر تحسین بی بی**

ایسوسی ایٹ پروفیسر، شعبہ لسانیات و ادبیات (اردو) قرطبہ یونیورسٹی آف سائنس اینڈ ٹیکنالوجی، پشاور

**ڈاکٹر اعجاز احمد جان**

اسسٹنٹ پروفیسر، شعبہ لسانیات و ادبیات (اردو) قرطبہ یونیورسٹی آف سائنس اینڈ ٹیکنالوجی، پشاور

**Aziz-Ur-Rahman**
Research Scholar, Qurtuba University of Science and Technology, Peshawar
**Dr Tahseen Bibi**
Associate Professor, Department of Linguistics & Literature (Urdu) Qurtuba University of Science and Technology, Peshawar
**Dr Ijaz Ahmed Jan**
Assistant Professor, Department of Linguistics & Literature (Urdu) Qurtuba University of Science and Technology, Peshawar

**ABSTRACT:**

*Literature is a reflection of life and the pulse of the writer's society is what will happen in the society, the same will be presented by the writer in his literature consciously or unconsciously. Our economy is suffering from many problems today. The nature and dimensions of these problems are different. In this modern age, on the one hand, the individual is seen to suffer from problems individually; on the other hand, the society is not free from the shackles of problems and sufferings at the collective level. Among these problems are the disappearance of social values, problems faced by women, problems arising as a result of class division, terrorism and unrest, religious and religious hatred, national political crisis, industrial corruption, corruption and nepotism, sexual immorality, and The mental and psychological problems faced by the individual include fear, depression, feeling of loneliness, feeling of loss etc. Therefore, the writer of the modern era not only reflects the psychology of the individual by looking inside, but also presents the object by looking at the external conditions.*

*These social problems, the prominent ones mentioned above, have been presented by almost every representative fiction writer of the present day, Assad Muhammad, Muhammad Hameed Shahid, Zahida Hina, Banu Qudsia, Rashid Amjad, Mubeen Mirza, Nasir Abbas Nair, Shahnaz Shore, Tahir Masood, Muhammad Hamid Siraj, Assad Mahmood Khan and Farheen Chaudhary etc.*

**KEY WORDS:** Literature, Society, Writers, Problems, Psychology, Social values, Class division ,Corruption, Fiction ,Realism, Terrorism etc.

اردو افسانے نے بیسویں صدی کی منزل کو عبور کرتے ہوئے اکیسویں صدی میں قدم رکھا تو ایک نئے عہد سے روشناس ہوا جس میں نہ صرف اس صنف ادب نے ادبی روایات کو دوام بخشا ہے بلکہ نئے ثقافتی، سیاسی ، معاشرتی اور سماجی مسائل کو بھی اجاگر کیا ہے۔ دنیا میں ہونے والی تیز رفتار تبدیلیوں اور پاکستان جیسے ممالک میں درپیش سیاسی، معاشرتی و سماجی مسائل نے اردو افسانے کی نوعیت اور اس کے موضوعات میں بڑی تبدیلیاں کی ہیں۔ اکیسویں صدی کے اُردو افسانے نے ممکن حد تک اپنے اندر جدید عہد کے سماجی مسائل کو سمویا ہے، جن میں طبقاتی کشمکش، معاشی ناہمواری، اخلاقی بے

AL-AASAR Journal
Quarterly Research Journal
www. al-aasar.com
Vol. 2, No. 1 (2025)
Online ISSN: 3006-693X
Print ISSN: 3006-6921

راہ روی ، سیاسی جبر، خواتین کے حقوق کی پامالی،عدم برداشت، دہشت گردی و بدامنی، تنہائی کا احساس،ملکی و مذہبی منافرت، کرپشن ،خویش پروری، جنسی بے راہ روی، صنعتی تباہ کاریاں اور نفسیاتی الجھنیں شامل ہیں۔ یہ موضوعات نہ صرف ادب کی تبدیلی کا حصہ بنے ہیں، بلکہ ان مسائل پر غور و فکر کے بھی کئی در وا کیے ہیں۔ اکیسویں صدی کے اُردو افسانہ نگاروں نے اپنے افسانوں میں تمام اہم سماجی مسائل کو نہایت خوبصورتی سے بیان کیا ہے۔

سماجی مسائل وہ معاملات ہیں جو کسی بھی معاشرتی ڈھانچے میں موجود افراد کی زندگی پر اثر انداز ہوتے ہیں اور ان مسائل کا اثر ان کے جذبات ، تعلقات اور رویوں پر پڑتا ہے یہ مسائل کسی بھی معاشرتی ساخت میں مختلف سطحوں پر ظاہر ہوتے ہیں، جیسے طبقاتی کشمکش، غربت، ظلم، تعلیم کا فقدان ، خواتین کے حقوق کی پامالی ، تعلیمی عدم مساوات، اقلیتی حقوق ، معاشی عدم مساوات، سیاسی جبر، بے روز گاری، بدامنی، اخلاقی بے راہ روی،توہم پرستی اور دیگر سماجی و ثقافتی مسائل وغیرہ۔ اردو افسانے میں ان مسائل کی پیشکش کا مقصد ان حقیقتوں کو منظرِ عام پر لا کر معاشرے میں شعور پیدا کرنا ہوتا ہے تاکہ وہ ان مسائل کی گہرائی اور پیچیدگیوں سے واقف ہو سکیں۔اکیسویں صدی کے اردو افسانوں میں سماجی مسائل کی پیشکش میں واضح تبدیلیاں آئی ہیں، اس دوران اردو افسانہ نگاروں نے نئے اسلوب اور تخلیقی انداز اختیار کیے ہیں تاکہ وہ سماجی مسائل کی حقیقت کو درست اور پراثر طریقے سے پیش کر سکیں۔ اس عرصے میں افسانہ نگاروں نے عوامی سطح پر موجود معاشی ، سیاسی ، سماجی اور نفسیاتی مسائل کو نہ صرف بیان کیا ہے بلکہ انہیں وقعات کا حصہ بنایا ہے، تاکہ انسان کی مشکلات کو ایک جیتی جاگتی حقیقت کے طور پر سامنے لایا جاسکے۔

ہر سماج کے مسائل الگ نوعیت پر مشتمل ہوتے ہیں۔ عصر حاضر کے مسائل میں جبر واستحصال، دہشت گردی،خواتین کے حقوق کی پامالی،رشوت،اخلاقی بے راہ روی،عدم مساوات، کرپشن،غربت،سماجی ناانصافی اور توہم پرستی وغیرہ ایسے مسائل ہیں جو کہ کسی بھی تمدن و معاشرت کے لیے بہت بڑی اذیت بن سکتی ہے۔دور جدید کے افسانہ نگاروں جن میں ڈاکٹر رشید امجد،انتظار حسین، مسعود اشعر، اسد محمد خان،زائدہ حنا،طاہرہ اقبال، محمد حمید شاہد، منشایاد،حامد سراج، مبین مرزا،انور زیدی، زبیر شاہ وغیرہ شامل ہیں کے ہاں ان تمام مسائل کی عکاسی ملتی ہے۔

منشایاد کا شمار اکیسویں صدی کے اہم افسانہ نگاروں میں ہوتا ہے۔ انہوں نے اپنے افسانوں میں شہری و دیہی معاشرت اور ان کے سماجی و معاشرتی مسائل کی عکاسی نہایت خوب صورتی سے کی ہے۔انہوں نے اپنے افسانے "چاہ درچاہ" میں توہم پرستی کو اپنا موضوع بنایا ہے۔ جس میں ایک نئی نویلی دلہن کو مزار پر اس لیے لایا جاتا ہے کہ وہ بابا سے دعا لے سکے ورنہ بابا پھر بد عا دے گا۔ یہ غیر صحت مند معاشرے کا کام ہے ورنہ کوئی بابا نہ تو کسی کی خوشیوں میں اضافہ کر سکتا ہے اور نہ ہی آنے والے مصیبتوں سے آپ کو بچا سکتا ہے۔اسی طرح بہت سے توہمات ہمارے معاشرے میں پائے جاتے ہیں جس کے خلاف سب سے زیادہ کام ترقی پسندوں نے اپنی تخلیقات میں تفصیلے کیا ہے اور معاشرے کو تعلیم و ترقی کی راہ پر لانے کی بہت کوشش کی ہے:

> " اگلے روز پتہ چلا اس نے سسرال پہنچتے ہی شور مچا دیا تھا کہ اس سے بھول ہو گئی ہے۔ اس نے شوہر کا منہ دیکھنے سے پہلے بھورے شاہ کو سلام کرنے کی منت مانی ہوئی تھی۔ اس کا شوہر اور سسرال والے بھورے شاہ کے معتقد اور مرید تھے۔ وہ اس کے فریب میں آ گئے۔ انہوں نے کہا کہ وہ اسے فوراً لے جائیں اور سلام کروا کر واپس لے آئیں۔ اس کے ہوش اڑ گئے۔ مزار سے نکل کر اتنی دور آتے جاتے اسے ضرور کسی نہ کسی نے دیکھ لیا ہو گا اور بات پھیل جائے گی "۔(1)

رشید امجد نے اپنے علامتی افسانہ "بادشاہ سوگ میں ہے" میں حکمران طبقے کی بے حسی اور عوامی مسائل سے عدم دلچسپی کو موضوع بنایا ہے۔اس افسانے میں بادشاہ اپنی کنیزہ کی موت کا سوگ مناتا ہے۔ جس کو دیکھ کر ہر کوئی سوگ منانے لگتا ہے جس سے شہر میں بدامنی پھیلنے لگتی ہے:

AL-AASAR Journal
Quarterly Research Journal
www. al-aasar.com
Vol. 2, No. 1 (2025)
Online ISSN: 3006-693X
Print ISSN: 3006-6921

"لوگوں نے ایک دوسرے کو مارنا لُوٹنا شروع کر دیا۔ جو طاقت ور تھا اس کو کوئی پوچھنے والا نہیں تھا۔ راہ چلتے لوگوں کی پگڑیاں اچھلنے لگیں۔ عورتوں کا باہر نکلنا مشکل ہو گیا۔ جس کا جی چاہتا راہ چلتی عورت کو اٹھا کر لے جاتا۔ اٹھانے والا ذرا نرم دل ہوتا تو لذت کشی کے بعد زندہ چھوڑ دیتا ورنہ کئی ایسے بھی تھے کہ اس کے بعد ٹکڑے ٹکڑے کر دیتے۔ بچوں کو درسگاہوں کے باہر سے اٹھا لیا جاتا۔ اور ان سے غلاموں جیسے کام کروائے جاتے۔ کہیں کوئی احتجاج ہوتا تو منصف صلح کروا دیتا کیوں کہ وہ بھی سوگ میں تھا۔ لوگوں نے سوچنا چھوڑ دیا تھا کیوں کہ سوچنے کے کوئی معنی ہی نہیں رہے تھے"۔(2)

محمد حمید شاہد کا شمار عصر حاضر کے اہم افسانہ نگاروں میں ہوتا ہے۔ دور جدید کے دیگر افسانہ نگاروں کی طرح انہوں نے بھی اپنے عہد کی زندگی اور ارد گرد پھیلے سماجی مسائل پر افسانے لکھے ہیں۔ محمد حمید شاہد نے افسانہ "تماش بین" میں ملک و معاشرے کے حالات کو سامنے لانے کی سعی کرتے ہوئے کئی معاشرتی ناہمواریوں کا ذکر کیا ہے جو حقیقت میں لاقانونیت کا نتیجہ ہیں۔ اس افسانہ میں افسانہ نگار نے لاقانونیت، طبقاتی تقسیم، قتل و غارت گری اور اغوا کی وارداتوں کی عکاسی یوں کی ہے :

"میں روز دیر سے سونے اور صبح دیر سے اٹھنے کے باعث جلدی جلدی دفتر کے لیے تیاری کرتا ہوں۔ یوں نہ تو ناشتہ سکون سے کر سکتا ہوں اور نہ ہی اخبار پڑھ پاتا ہوں۔ لہٰذا دفتر آتے ہی پہلے اخبار پڑھتا ہوں۔ اخبار میرے سامنے تھا اور روزمرہ کی طرح سیاست دانوں کے بیانات، حادثات، قتل و اغوا کی خبریں شائع ہوئیں تھیں۔ منچلے نوجوان جو راہ چلتی لڑکیوں پر آوازے کستے ہیں، نئے نئے طریقوں سے ستاتے ہیں۔۔ جدید ماڈل کی کاروں میں لفٹ دیتے ہیں یا پھر سائلنسر اترے شور مچاتے موٹر سائیکلوں پر سوار ہو کر آتے ہیں اور پرس لے اڑتے ہیں۔ ان کی سرگرمیاں بھی اخبارات کے چوکھٹوں میں جگہ پانے میں کامیاب ہو گئی ہیں"۔(3)

محمد حامد سراج نے اپنے ایک افسانے "ایک اور داؤ" میں سماج میں پائے جانے والے خوف اور ڈر کا ذکر کچھ اس طرح کیا ہے جو دہشت گردی کی وجہ سے پیدا ہوا ہے، کیونکہ بدامنی کے اس زمانے میں جہاں پر ہجوم ہوتا تھا لوگوں کے دل بم دھماکوں کے خوف سے لرز جاتے تھے۔ افسانہ نگار نے اس موقع کے منظر کو یوں بیان کیا ہے:

"عصر سے پہلے ہی پنڈال میں لوگوں کی آمد شروع ہو گئی۔ برف کے رنگین گولے بنانے والے اپنی ریڑھیاں دھکیلتے وہاں آ پہنچے۔ تربوز والے نے چار بانسوں پر چادر تان کر تربوز ڈھیر کر دئے۔ شربت والی ریڑھیاں بھی گھنٹیاں بجاتی وہاں آ پہنچیں۔ وہاں میلہ لگ گیا۔ حالانکہ ملک میں آئے روز کے خودکش دھماکوں نے کروڑوں لوگوں کے چہروں سے خوشی نوچ لی تھی۔ تفریح قصہ پارینہ بن چکی تھی۔ ہر شہری راستے میں، بھیڑ کے درمان، مسجد میں اور بس میں ہر جگہ ہراساں تھا۔"(4)

سید زبیر شاہ کے دو افسانوی مجموعے "خوف کے کتبے" اور "یخ بستہ دہلیز" منظر عام پر آئے ہیں۔ جن میں سید زبیر شاہ نے گوناگوں عصر حاضر کے مسائل کو بیان کیا ہے۔ سید زبیر شاہ نے علامتی و بیانیہ دونوں پیرائے کے افسانوں میں معاشرتی مسائل کو موضوع بنایا ہے۔ افسانہ "کوئے" میں خیبر پختونخوا میں دہشت گردی اور بدامنی کے واقعات کو بیان کیا ہے، جس کو افسانہ نگار نے علامتی پیرائے میں سامنے لایا ہے۔ مذکورہ افسانے میں سفید کوئے اور کالے کوئے بے گناہ لوگوں کو بے وجہ شہید کرنے والے کردار ہیں۔ تباہی کی منظر کشی اس افسانے میں کچھ یوں پیش کی گئی ہے:

"اتنے میں ایک کہرام مچ گیا۔ آسمان کو چھوتی ہوئی اعصاب شکن چیخیں ہر طرف اٹھنے لگیں۔ خیموں سے شعلے اٹھ رہے تھے۔ گرتے پڑتے جھلسے ہوئے لوگ کسی ان دیکھی مدد کو پکارتے رہے۔ درخت سے سفید

AL-AASAR Journal
Quarterly Research Journal
www. al-aasar.com
Vol. 2, No. 1 (2025)
Online ISSN: 3006-693X
Print ISSN: 3006-6921

کوے جا چکے تھے۔ اور دو کالے کوے جو کے سانپوں کی مانند تھے بستی کے اوپر اڑتے رہے۔ وہ منہ کھول کر خیموں پر زہر پھینکتے رہے اور پلک جھپکنے میں ہر چیز راکھ ہوتی رہی"۔(5)

انور زاہدی کا نام اکیسویں صدی کے اردو افسانے میں کافی اہمیت کا حامل ہے۔ انہوں اپنے افسانے "ہوروسکوپ" میں تعلیم یافتہ افراد کا ستاروں سے قسمت کا حال معلوم کرنے جیسے عقیدے کو موضوع بنایا ہے۔ اس افسانے میں ایک بیٹی اپنے والدین کو اعتقادات کے بارے میں معلومات دیتی ہے۔ اس کی ماں علم نجوم پر بہت یقین رکھتی ہے، لیکن دورانِ تفریح اس پر حقیقت آشکار ہو جاتی ہے جس سے وہ ستاروں سے فال نکالنے کا یقین چھوڑ دیتی ہے:

" آپ جانتے ہیں میں تو کوئی قدم بغیر اپنے علم کے باہر نہیں نکالتی۔ اس بار بھی جب میں کالج کے بچوں کے ٹور انچارج کی حیثیت سے شمالی علاقوں کا دورہ کرنے جا رہی تھی تو میں پوری طرح سے مطمئن تھی ک سب ٹھیک ہو گا۔ بس ایک رات کے خواب نے مجھے پریشان کر دیا تھا۔ جس میں مجھے بار بار اپنے بچوں کو گنتے ہوئے دکھایا گیا تھا۔ اور ہر بار کی گنتی کے دوران کوئی ایسی بات ہو جاتی تھی جس کی وجہ سے مجھے از سر نو گنتی شروع کرنی پڑ جاتی تھی۔ جیسے میں گنتی کر چکنے کے باوجود ذہنی طور پر مطمئن نہ تھی۔ لیکن اس غیر معمولی احتیاط کو اپنی عادت سمجھتے ہوئے میں نے آپ سے یا بچوں سے اس خواب کا ذکر کرنا مناسب نہ سمجھا۔ کہ اس وجہ سے آپ سب بلاوجہ پریشان ہو جاتے اور ممکن ہے میرا اس ٹور پر جانا ملتوی ہو جاتا۔ جب ہوش میں آئی تو آپ سب کو اپنے پاس پا کر کس قدر خدا کا شکر ادا کیا۔ بس اب میں نے ستاروں کے علم کے بارے میں سوچنا چھوڑ دیا ہے۔ اور میں سمجھتی ہوں کہ زندگی موت خدا کے ہاتھ میں ہے۔ وہ جسے چاہتا ہے خوفناک سے خوفناک حادثے میں بھی بچا لیتا ہے۔ آپ بالکل صحیح کہا کرتے تھے۔ اس حادثے نے مجھے بدل کر رکھ دیا ہے"۔(6)

مبین مرزا نے افسانوی مجموعہ "خوف کے آسمان تلے" میں شامل افسانوں میں زیادہ تر دہشت گردی اور بدامنی کو موضوع بنایا ہے۔ اسی مجموعہ کا اہم افسانہ "خوف کے آسمان تلے" میں تصادم، لسانی اور سیاسی اختلافات، کشیدگی اور فائرنگ کے واقعات کو یوں قلم بند کیا ہے:

"لیکن ابھی چند قدم بھی آگے نہ بڑھے ہوں گے کہ دائیں بائیں پورے بازار کی دکانیں تیزی سے بند ہونے لگیں۔ انہیں گھڑی بھر کو تو کچھ سمجھ ہی نہ آیا کہ یہ سب کیا ہو رہا ہے۔ اس لیے رک کر ادھر ادھر دیکھنے لگے پھر جیسے سمجھ آ گیا کیا ہو رہا ہے اور کیا ہونے والا ہے۔ تب تو جیسے ان کی دونوں ٹانگوں میں بجلیاں سی بھر گئیں۔ لمبے لمبے ڈگ بھرتے ہوئے وہ گھر کی طرف رواں تھے لیکن رک کر انہوں نے جو چند لمحے معاملہ سمجھنے میں گزارے تھے، لگتا تھا ان کا خمیازہ بھگتنا پڑے گا۔ اس لیے کہ فائرنگ شروع ہو چکی تھی۔ اور گولیوں کی آوازیں جیسے ان کی طرف لپک رہی تھیں۔ انہیں اندازہ نہیں ہو رہا تھا کہ یہ آواز عقب سے آ رہی ہے یا سامنے سے یا پھر دائیں جانب سے"۔(7)

AL-AASAR Journal
Quarterly Research Journal
www. al-aasar.com
Vol. 2, No. 1 (2025)
Online ISSN: 3006-693X
Print ISSN: 3006-6921

دور حاضر کے سب سے بڑے مسائل لا قانونیت اور سفارش و خویش پروری ہیں۔ ان مسائل کو طیبہ ہاشمی نے اپنے افسانے "اس راہ پر" میں کہانی کا حصہ بنایا ہے۔ ہمارے ملک میں سمگلنگ بہت زور و شور سے ہو رہی ہے، اور جب بھی کوئی ایسا انہونی واقعہ نمودار ہوتا ہے تو اس کے پیچھے کسی نہ کسی صاحبِ ثروت کا ہاتھ ہوتا ہے۔ پیش نظر افسانے میں پولیس والے اسلحے کو سمگل کرنے والے ٹرک کو پکڑتے ہیں تو ٹرک کا ڈرائیور کہتا ہے کہ یہ سامان مالکہ (افق حسنین) کا ہے، جس خاتون کا نام ڈرائیور لیتا ہے وہ ایک امیر ترین گھرانے سے تعلق رکھتی ہے۔ افسانے سے ایک اقتباس ملاحظہ کریں:

> "ابھی میں ملتان ہی میں تھا کہ آفس سے ایمرجنسی فون موصول ہوا جس کہ وجہ سے مجھے واپس لاہور آنا پڑا۔ یہاں آکر پتہ چلا کہ ناجائز اسلحے سے بھرا ٹرک پولیس نے اپنی تحویل میں لے لیا ہے ڈرائیور سمیت مگر وہ کچھ بھی بتانے کو تیار نہیں۔ لیکن سخت سے سخت ریمانڈ بھی بڑے بڑوں کی زبانیں کھول دیتا ہے۔ اور ایسا ہی ہوا اور میرے یقین کے مطابق اس نے افق حسنین کا نام لیا۔ سب کے لیے یہ ایک بڑی خوشی تھی۔ سو اس کے خلاف فوری ایکشن کی تیاری شروع ہو گئی"۔(8)

خالدہ حسین نے اپنے افسانے" والعصر "میں اپنے معاشرتی ماحول میں اہل قلم کی بے توقیری کو اجاگر کیا ہے۔ ان کا کہنا ہے کہ موجودہ معاشرے میں لکھنے والوں کی کوئی اہمیت نہیں رہی، اس لیے انہوں نے لکھنا چھوڑ دیا ہے۔ ان کے مطابق ترقی یافتہ معاشروں میں اہل قلم کا احترام کیا جاتا ہے کیونکہ یہ وہ طبقہ ہیں جو سماج کے ہر پہلو کو بغور دیکھتے ہیں، لکھتے ہیں اور ادب کا حصہ بناتے ہیں۔ وہ سماجی مسائل کی نشاندہی کرتے ہیں اور معاشرتی استحکام کے لیے اپنے تخلیقی ذہن اور قلم کا استعمال کرتے ہیں۔ افسانے میں یہ بھی بیان کیا گیا ہے کہ معاشرے میں صرف وہی لکھاری قابل قدر سمجھے جاتے ہیں جو اپنی صلاحیتوں کو صحیح طور پر پیش کر کے فائدہ اٹھانے میں کامیاب ہوتے ہیں۔ اس صورت حال پر انہوں نے لکھ کر دراصل معاشرے کی عکاسی کی ہے:

> "میں نے ایک مدت سے پڑھنا لکھنا طاق پر رکھ چھوڑا تھا۔ کیوں کہ اس نظام میں اس کا کوئی عمل دخل نہ تھا جس میں میں سانس لے رہی تھی۔ حقیقت یہ ہے کہ اب میں بھی قائل ہو چکی تھی کہ ادب پڑھنے اور تخلیق کرنے والے انتہائی ناکام اور ناکارہ لوگ ہوتے ہیں۔ سوائے ان کے جو اپنی صلاحیت کو کیش کرانا جانتے ہوں"۔(9)

مریم مجید ڈار ایک حقیقت پسند افسانہ نویس ہے۔ جو بڑے مؤثر انداز میں معاشرے کے مسائل کو اپنے افسانوں میں سامنے لاتی ہیں۔ عصر حاضر کا ایک بڑا مسئلہ اور المیہ غربت ہے، کیونکہ جس معاشرے میں غربت ہو گی وہاں پر دیگر اور کئی سماجی مسائل بھی ہوں گے۔ ان میں زیادہ طور پر اخلاقی برائیاں بھی شامل ہوتی ہیں۔ انسان سب سے زیادہ غربت کے ہاتھوں مجبور ہوتا ہے، اور اس سے انسان کی نفسیات بھی تغیر کا شکار ہوتی ہے۔ ذیل میں اسی اخلاقی پہلو کو سامنے لایا گیا ہے:

> "جانوروں کے بدحواس ریوڑ کی طرح ان کا جیون دو بھوکوں کی ریکھاؤں کے بیچ جھولتا تھا۔ پیٹ کی بھوک اور تن کی بھوک۔ اور اس کو پورا کرنے کا بھی ان کا انوکھا طریقہ تھا۔ جس کے ہاتھ جو لگے۔ نہ کسی کے شملے میں آگ لگتی تھی کہ اس کی زنانی کسی اور بھانڈے سے چاٹ آئی ہے اور نہ ہی کسی عورت کا کلیجہ اس بات پر جھلستا

AL-AASAR Journal
Quarterly Research Journal
www. al-aasar.com
Vol. 2, No. 1 (2025)
Online ISSN: 3006-693X
Print ISSN: 3006-6921

تھا کہ فلاں نے جو آج مسی منہ پر ملی ہے، اس کا روپیہ اس کے مرد کے کھیسے سے گیا ہے۔ اصل میں معاشی اور اخلاقی پستی نے ان لوگوں کو گھپاؤں کے دنوں میں دھکیل دیا تھا۔ جب آدم زاد صرف ضرورتوں کو پورا کرنا سیکھ رہا تھا۔ نہ طبقے تھے نہ فرقے۔ نہ احساس ملکیت اور نہ ہی پاپ پن کے جھگڑے۔ اکثر ایسا بھی ہوتا تھا کہ مرد زنانی کو جھگی سے باہر جاتا دیکھ کر آنکھ داب لیتا اور کبھی زنانی برابر کی ہلتی کھاٹ کو در فٹے کہہ کر کروٹ بدل لیتی۔ یہاں بات دستیابی کی تھی۔"(10)

اکیسویں صدی کے اردو افسانے کے کئی بڑے بڑے نام اب بھی موجود ہیں جو اپنے فن کے جوہر دیکھا رہے ہیں جن میں زاہدہ حنا، اسد محمد خان، مرزا حامد بیگ، مسعود اشعر، طاہرہ اقبال وغیرہ شامل ہیں۔ اکیسویں صدی کے اردو افسانے نے نہ صرف سماجی مسائل کو اجاگر کیا بلکہ انھیں لوگوں کے ذہنوں میں بٹھایا ہے۔ ان افسانوں کا مقصد لوگوں کو سماجی حقیقتوں کے بارے میں آگاہی فراہم کرنا ہے تاکہ وہ ان مسائل کو سمجھیں اور ان کے حل کی طرف بڑھیں۔ ان افسانوں میں نہ صرف سماجی مسائل کی پیشکش سے معاشرتی تبدیلی کی ضرورت کا پیغام دیا گیا ہے بلکہ لوگوں میں سماجی و سیاسی مسائل پر غور کرنے کی صلاحیت بھی پیدا کی گئی ہے۔ اکیسویں صدی کے اردو افسانہ نگاروں نے ان مسائل کو نئے انداز میں بیان کر کے ان پر توجہ مرکوز کی ہے، جو اس بات کا غماز ہے کہ اردو ادب نے اپنی روایات کو برقرار رکھتے ہوئے جدید معاشرتی حقیقتوں کی جانب رخ کیا ہے۔ ان افسانوں کا مقصد صرف تفریح نہیں بلکہ سماج میں تبدیلی لانے کی کوشش ہے۔ ان کے ذریعے قارئین کو سماجی مسائل کے بارے میں آگاہی اور ان کے حل کی طرف متوجہ کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔

**حوالہ جات:**

1. منشایاد ، پانی میں گھرا آدمی، لاہور، مکتبہ لاہور، 2004ص40
2. رشید امجد، عام آدمی کے خواب، اسلام آباد، پورب اکادمی، 2010، ص163
3. محمد حمید شاہد، جنم جنم، اسلام آباد، استعارہ پبلیشرز 1198، جی ایٹ ون، 1998ء، ص27
4. محمد حامد سراج، بخیہ گری، راولپنڈی، الفتح پبلی کیشنز، 2013ء، ص25
5. زبیر شاہ، سید، خوف کے کتبے، فیصل آباد، مثال پبلیشرز، امین پارہ بازار، 2011ء، ص54
6. انور زاہدی، ہوروسکوپ، مشمولہ بایسکوپ، لاہور، مکتبہ لاہور 2013، ص65
7. مبین مرزا، خوف کے آسمان تلے، کراچی، اکادمی بازیافت، 2004، ص58
8. طیبہ ہاشمی، تھی اک رات کی زندگی، فکشن ہاؤس، لاہور، مزنگ روڈ، 2017ء، ص101
9. خالدہ حسین، افسانوی مجموعہ، سنگ میل پبلی کیشنز، لاہور، 2008ء، ص594
10. مریم مجید ڈار، سوچ زار فکشن ہاؤس، لاہور، مزنگ روڈ، 2019ء، ص29